کمپنی میں جنرل منیجر بھی رہے۔ اب ذاتی بزنس میں مصروف ہیں۔

(۵) یہ تینوں میرے چچازاد بھائی ہیں اور میری تعلیمی زندگی کی تعمیر میں ان کا بہت اہم حصہ رہا ہے۔

(۶) جناب فضا اعظمی صاحب کا شعری مجموعہ "جو دل پہ گذری ہے" کے نام سے ایوان اردو کراچی سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہو کر شعراء و ادبا میں کافی مقبول ہوا۔ اس کا واضح ثبوت طلوع افکار کے محولہ بالا خصوصی شمارے سے ملتا ہے۔ جس میں پاکستان کے معروف ادباء و ناقدین نے ان کی شاعری پر تحسینی انداز میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ اس دیوان کے علاوہ قانون سے متعلق ان کی متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ہزار مصرعوں پر مشتمل ان کی ایک طویل نظم (مرثیہ ضمیر) اس وقت زیر طبع ہے۔

(۷) اس موقع پر میں اپنے بزرگ کرم فرما ڈاکٹر اخلاق احمد صاحب (سابق استاد شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں انھوں نے ۱۹۹۷ء کے آخر میں پاکستان سفر سے واپسی پر مجھے جناب عقیل احمد صاحب کا دیوان (جو دل پہ گذری ہے) دکھلایا جو صاحب دیوان سے رابطہ اور خط و کتابت کا وسیلہ بنا اور پھر یہ ان کے والد صاحب مرحوم کے بارے میں معلومات جمع کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

(۸) طلوع افکار، محولہ بالا شمارہ ص: ۱۹

(۹) عقیل احمد فضا اعظمی، جو دل پہ گذری ہے، ایون اردو، کراچی، ۱۹۹۶ء ص: ۱۸۲۔۱۸۳

(۱۰) ڈاکٹر شعیب اعظمی (مرتب)، حکیم محمد اسحٰق، پروانۂ چراغ مزار خود یم ما، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۵ء ص ۱۶۰

(۱۱) دیباچہ "جو دل پہ گذری ہے"، محولہ بالا ص: ۲۳۔۲۴

(۱۲) مکتوب مولانا عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی (بہ جواب استفسار راقم آثم)، ص: ۱

(۱۳) ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی (مرتب)، مشاہیر کے خطوط امام حمید الدین فراہی کے نام، دار التذکیر، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۳۶، اس خط میں "علی میاں" سے مراد مولانا فراہی کے صاجزادے جناب سجاد صاحب کے بڑے بیٹے جناب ابوالحسن علی صاحب ہیں انھوں نے ایک طویل عرصہ تک مدرسۃ الاصلاح کے ناظم کے فرائض انجام دئے۔ ۱۹۸۶ء کے آخر میں ان کا انتقال ہوا۔

(۱۴) مختصر حیات حمید (مرتبہ عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی) مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء، ص: ۳۹، (مقالہ مولانا امین احسن اصلاحی)

(۱۵) شرف الدین اصلاحی ''اصلاحی و فراہی، (مسودہ مقالہ پیش کردہ مولانا امین احسن اصلاحی سیمینار، منعقدہ ۲۴-۲۶ جولائی ۱۹۹۹ء بمقام مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ) ص ۲

(۱۶) ضیاء الدین اصلاحی ''الاصلاح'' (مقالہ مشمولہ شمارہ ہذا)، ص ۳۶۰ حاشیہ نمبر ۱

(۱۷) تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں راقم کی مرتبہ ''کتابیات فراہی'' ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۲۔۳۷

(۱۸) ماہنامہ ''الاصلاح'' ۱/۱، جنوری، ۱۹۳۶ء، ص: ۲، (اداریہ)

(۱۹) مولانا کے ملایا سفر کی قطعی تاریخ معلوم نہ ہوسکی۔ میرے استفسار کے جواب میں محترم مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے بعض بیانات و قرائن کی روشنی میں یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ زمانہ سفر ۱۹۳۳ء کا اواخر یا ۳۴ء کا اوائل رہا ہوگا۔

(۲۰) الاصلاح، محولہ بالا ص ۳۔۴

(۲۱) راقم کے مرتبہ سوالنامہ کا جواب (قلمی) ص: ۲

(۲۲) الاصلاح، محولہ بالا ص: ۴

(۲۳) الاصلاح، محولہ بالا شمارہ، ص: ۵۔۶، نیز دیکھئے محمد اجمل اصلاحی، الدائرۃ الحمیدیہ، ثقافۃ الہند، ۳۱/۱-۴، ۱۹۸۰ء، ص: ۱۰۵۔۱۱۵

(۲۴) مقام تعجب ہے کہ تدبر (لاہور) کے مکاتیب اصلاحی نمبر (مطبوعہ جولائی ۱۹۹۸ء) میں ڈاکٹر صاحب کے نام مولانا کا ایک خط بھی دستیاب نہیں ہے۔

(۲۵) اس خط کی اور اس مضمون میں آئندہ محولہ خطوط و دستاویز کی نقول راقم کے پاس محفوظ ہیں۔

(۲۶) تدبر مکاتیب اصلاحی نمبر (مرتبہ خالد مسعود)، جولائی ۱۹۹۸ء، ص: ۴۶

(۲۷) تدبر، محولہ بالا شمارہ، ص: ۵

(۲۸) یہاں یہ واضح رہے کہ آخر عمر میں رعشہ کی شکایت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب لکھنے سے معذور ہو گئے تھے۔ اس لیے دوسروں سے خطوط لکھواتے تھے۔ خود زیر بحث خط کے ابتدائی حصہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا نے ڈاکٹر صاحب کے جس خط کے جواب میں یہ خط لکھا تھا اسے انھوں نے برادر مکرم جناب مشیر احسن صاحب (م ۱۷/ مئی ۱۹۹۸ء) سے لکھوایا تھا۔

(۲۹) تفصیلات کے لیے دیکھیے کتابیات فراہی، ص: ۳۴-۳۵

(۳۰) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۸۹ء، ۱/ ۷ (دیباچہ)

مولانا اصلاحی کچھ یادیں

قاری محمد طاہر

۱۹۶۳ء کی بات ہے کہ لوح شہر ابھی تبدیل نہ ہوئی تھی۔ فیصل آباد کی پیشانی پر لائل پور لکھا ہوا تھا میں ان دنوں گورنمنٹ کالج لائل پور کا طالب علم تھا۔ پاکستان کے معروف قانون داں چودھری محمد اکرام جو آج کل انسداد دہشت گردی عدالت کے جج ہیں میرے ہم درس تھے۔ ایک روز ہم نے تین اجنبی چہروں کو کالج میں گھومتے دیکھا۔ وہ تقریباً ہر طالب علم کو تجسّس بھری نظروں سے دیکھتے اور آگے بڑھ جاتے انہیں دیکھ کر ہماری نگاہیں بھی سوالیہ نشان بن گئیں چہروں پر سجی داڑھیاں ہمارے اور ان کے درمیان ایسی قدر مشترک تھی جس نے ان کو ہم سے قریب کردیا۔ علیک سلیک ہوئی، پتہ چلا زرعی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں اور اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکن دین کے ناتے ان سے کچھ انسیت بڑھی۔ کہنے لگے لاہور میں جمعیت کا سالانہ کنونشن ہے اگر گورنمنٹ کالج کے طلبہ بھی اس میں شریک ہوں تو خوشی ہوگی۔ ہم دونوں ان کی دعوت پر تیار ہوگئے۔ لاہور پہنچے ایک کھلی عمارت میں کنونشن کا انتظام تھا ملک بھر سے آئے ہوئے طلبہ کثیر تعداد میں جمع ہوئے۔ نظم مثالی تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد اعلان ہوا۔ صبح فجر کی نماز سے متصل مولانا امین احسن اصلاحی درس حدیث دیں گے۔ ’’اسے قبل میں نے مولانا کا صرف نام سن رکھا تھا۔ ان کو دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا۔ پروگرام کے مطابق اگلے روز فجر کی نماز کے بعد سب طلبہ ایک بڑے کمرے میں جمع ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد مولانا امین احسن اصلاحی کمرے میں داخل ہوئے۔ لمبا قد، سر پر قراقلی کی ٹوپی، گورا رنگ، سیاہی مائل سفید داڑھی، بھورے رنگ کا خوبصورت اوور کوٹ اور صاف ستھرے اجلے کپڑے، چہرے پر متانت و سنجیدگی، پروقار چال — پہلی نظر دیکھتے ہی ان کی شخصیت

کے نکھار نے بے حد متاثر کیا۔ درس شروع ہوا۔ گفتار کی حلاوت اور انداز تکلم نے اور بھی کشش پیدا کی۔ آواز میں علماء کی روایتی گھن گرج نام کو نہ تھی بلکہ نہایت دھیمے لہجے میں علم کو موتی بکھیر رہے تھے۔ میرا ذہن مولانا کی شخصیت میں گم ہو کر رہ گیا۔ یہ مولانا اصلاحی سے میرا پہلا تعارف تھا۔ درس ختم ہوا تو سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ حاضرین نے موضوع سے متعلق علمی سوال کئے۔ بعض نے تیکھے انداز میں چبھتے سوال بھی پوچھے۔ مولانا نے ہر سوال کا جواب عالمانہ وقار اور سنجیدگی سے دیا۔ اس مجلس میں طالب علموں کے علاوہ کچھ بڑی عمر کے غیر طالب علم بھی شریک تھے۔ مجلس بڑی علمی تھی کہ یکایک حاضرین میں سے ایک صاحب نے لٹھ مار انداز میں سوال کیا "آپ کی مولانا مودودی سے لڑائی کیوں ہوئی" سوال میں علم تھا نہ طلب، یوں بھی سوال کرنے والا ظاہری ہیئت سے طالب علم دکھائی نہ دیا۔ مولانا نے اس اچانک اور بھدے جملے کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ سوال کرنے والے کی طرف پروقار نظروں سے دیکھا۔ فرمانے لگے "یہ ہم بڈھوں کا معاملہ ہے ہمارے درمیان ہی رہنے دو۔ دین کا کام کرتے چلے جاؤ" مولانا کے اس مختصر جملے میں بہت بڑا سبق تھا گویا زبان حال سے اللہ کے فرمان "واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً" پر عمل کر رہے تھے حاضرین میں سے تقریباً ہر شخص نے سوال کرنے والے کو خشمگیں نظروں سے دیکھا۔ ہر ایک آنکھ سائل سے سوال کناں تھی؟

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تم ہی بتاؤ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اسی بھونڈے سوال پر یہ علمی ونورانی مجلس برخاست ہو گئی۔ سب طلبہ مختلف تبصرے کرتے ہوئے رخصت ہو گئے میں اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گیا۔ میرا ذہن مجھ سے ہم کلام تھا۔ کاش یہ سوال اس وقت نہ پوچھا گیا ہوتا۔ یہ مجلس طویل ہو جاتی۔ ہم علم کے سچے موتیوں سے اپنے جیب ودامن کو مزید مالا مال کرتے۔ مولانا کتنے عظیم ہیں۔ یہ حوصلہ، یہ تدبر، یہ تحمل وبردباری، میرے دل نے کہا مولانا اس دور

کے نہیں اگلے وقتوں کے بزرگ ہیں۔ اتفاق سے اپنے قافلہ سے بچھڑ گئے۔ قدرت نے انہیں چودھویں صدی میں پیدا کر دیا۔

اس پہلی ملاقات کے بعد مولانا کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لئے دل ہمیشہ مچلتا رہا۔ ۱۹۶۵ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں داخلہ ہوا۔ شعبہ علوم اسلامیہ کے سربراہ علامہ علاءالدین صدیقی تھے۔ جو بعد میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی ہوئے۔ پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ایوب خاں نے انہیں اسلامی نظریاتی کونسل کا چیرمین بھی بنایا۔ شعبہ علوم اسلامیہ کی انجمن طلبہ کا صدر ہونے کے ناطے راقم علامہ صدیقی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کو شعبہ میں بلانے کی اجازت چاہی تاکہ طلبہ ان سے اکتساب فیض کر سکیں۔ علامہ صاحب علم دوست بھی تھے اور مردم شناس بھی۔ علماء کے ساتھ محبت ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ میری تجویز سے اتفاق فرمایا۔ مولانا کے نام خط لکھ کر مجھے دیا۔ میں علامہ صاحب کا پیغام لے کر مولانا کے گھر حاضر خدمت ہوا۔ وہی سنجیدگی، وہی متانت وہی وقار اور وہی علمی وجاہت آپ کے وجود کا حصہ تھی۔ جمعیت کے کونشن کے موقعہ پر مولانا کو ذرا فاصلے سے دیکھا تھا اور اب بالکل قریب سے، اس لئے بھی امیں ان کی پر وقار شخصیت سے مرعوب تھا۔ لیکن مولانا اس محبت سے ملے کہ ایک لمحہ میں مفائرت ختم ہو گئی۔ میں نے مدعا بیان کیا۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے جب پاکستان کا ایک طیارہ قاہرہ کے ہوائی مستقر پر گر کر تباہ ہو گیا تھا۔ مولانا کے جواں سال بیٹے اور پاکستان کے مشہور صحافی ابو صالح اصلاحی بھی اس حادثے میں شہید ہو گئے تھے صدمہ شدید تھا۔ مولانا اصلاحی کو بیٹے کے غم نے نڈھال کر رکھا تھا زخم ابھی تازہ ہی تھا اور اس کرب کو وہ اکیلے برداشت کر رہے تھے۔ میرا خیال تھا شاید مولانا ان حالات میں آمادہ نہ ہوں لیکن مولانا کے اندر و۔ داعیانہ کردار تھا اور داعی کبھی عارضی حالات کو عمل دعوت میں مزاحم نہیں ہونے دیتا۔ مولانا نے میری بات سنی کچھ استفسارات کئے اور تھوڑے سے توقف کے بعد بولے۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اس جملہ کی پاسداری فرمائی، سیکنڈ اور منٹ تک وقت کا خیال رکھتے ہوئے شعبہ میں

تشریف لے آئے آج طلبہ وطالبات سامنے آپ کا بیان ناصحانہ تھا۔ آپ مسلمان نوجوان طالب علم کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلا رہے تھے کاش اس وقت ٹیپ ریکارڈر موجود ہوتا اور انکی قیمتی باتیں محفوظ ہو جاتیں۔

مولانا اصلاحی ان اکابر میں سے ایک تھے جنھوں نے جماعت اسلامی کو پنپتے پروان چڑھتے اور شکست وریخت کا شکار ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا آپ کے علاوہ مولانا منظور نعمانی بھی جماعت کے اساسی بزرگوں میں شامل تھے۔ آپ کا شمار بر صغیر پاک وہند کے چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے تحریکی ذہن رکھنے والے قلم کے آدمی تھے۔ دیگر کتابوں کے علاوہ ان کی معارف الحدیث اور ماہنامہ 'الفرقان' علمی دنیا میں ان کی پہچان بن چکے ہیں ۱۹۴۱ء میں جب جماعت اسلامی قائم ہوئی تو مولانا منظور نعمانی اس کے تاسیسی ارکان میں شامل تھے۔ موصوف نے مولانا اصلاحی کو جماعت میں شمولیت کی ترغیب دی۔ احیائے اسلام کے لئے اجتماعی کوشش جماعت کا ہدف اصلی تھا۔ اسی ناتے مولانا اصلاحی نے جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ ایک انسان خواہ کتنا ہی مستعد اور فعال ہو اس کی استعداد اور فعالیت نتیجے کے اعتبار سے نقش بر آب ہی ثابت ہوتی ہے جب کہ اجتماعی کوشش کے نتائج مثبت اور دیرپا ہوا کرتے ہیں۔

تشکیل پاکستان کے بعد جماعت کی اجتماعی سوچ میں تبدیلی آگئی۔ حصول اقتدار اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے بہترین ذریعہ اور آسان ترین راستہ سمجھا جانے لگا۔ جماعت نے فیصلہ کیا کہ اس کام کے لیے اقتدار موثر ہتھیار ہے لہذا حصول اقتدار کے لیے جماعت کو بھی دیگر سیاسی جماعتوں کی طرح انتخابی سیاست کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے جماعت نے پاکستان کے پہلے انتخاب میں بھرپور حصہ لیا۔ لیکن جماعت کے حق میں نتائج منفی نکلے۔ اس پر تشویش پیدا ہوئی اور دو آراء سامنے آئیں۔ ایک رائے یہ تھی کہ جماعت کے انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر صرف تربیت افراد پر توجہ مرکوز رکھنی چاہئے۔ دوسری رائے یہ تھی کہ انتخابی سیاست میں دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ شانہ بشانہ مدمقابل آنا چاہئے۔ اس صورت حال کا فیصلہ کرنے کی لئے ایک چار رکنی کمیشن

بٹھایا گیا۔ جس کے سربراہ فیصل آباد کے معروف عالم دین مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم تھے۔ موصوف بڑے جید عالم اورباصلاحیت بزرگ تھے۔اس کمیشن نے اول الذکر رائے کے حق میں فیصلہ دیااور جماعت کوانتخابی سیاست سے علیحدہ رہ کرکام کرنے کی تجویز دی۔ لیکن یہ فیصلہ اراکین کے مابین اختلاف رائے کی خلیج کو پاٹنے میں مددگار ثابت نہ ہو سکا۔ ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں اختلاف کھل کر سامنے آگئے اور بالآخر مولانا اصلاحی جماعت سے الگ ہو گئے۔ مولانااصلاحی کے ساتھ اور بہت سے لوگوں نے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ مولانا کے فیصلے پر ہم حکم کادرجہ نہیں رکھتے نہ ہی ہمیں مولانا مودودی کی رائے اور طرز عمل پر رائے زنی کا حق حاصل ہے ہمارے نزدیک تو "خطائے بزرگاں گرفتن خطااست" مگر آج تقریباً نصف صدی گذرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتاہے کہ حالات اور نتائج نے مولانا اصلاحی کی سوچ اور فکر پر تائید مہر ثبت کردی ہے۔

مولانا اصلاحی البغض لله والحب لله کی زندہ تفسیر تھے۔ان کا اٹھنا،بیٹھنا، جلنا، پھرنا تعلق وربط کا پیمانہ صرف اسلام اور احیائے اسلام تھا۔ اس حوالے سے ہر تحریک اور ہر فکر ان کو اچھی لگتی تھی۔ اختلاف فکر کے باوجود وہ اپنے مدمقابل کو ترجیح دیتے۔ اپنے نظریات پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے وہ اپنے مخالف کی پوری قدر کرتے فکری اختلاف کوذاتی تعلقات پر اثرانداز کرنا ان کا مسلک نہ تھا۔ مولانا اصلاحی خانقاہی نظام کے آدمی نہ تھے اور نہ ہی خانقاہ ہی حصار کی حدبندیوں کو درست خیال کرتے تھے جب کہ ان کے دیرینہ رفیق مولانا محمد منظور نعمانی خالصتاً خانقاہی نظام کے مؤیدین میں سے تھے۔اور خود حلقہ رائے پور سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے اس نظریاتی بعد کے باوجود دونوں بزرگوں میں ذہنی قربت اور رشتہ ولایت اس قدر تھا کہ عمر بھر دونوں میں مکاتبت کا تعلق قایم رہا۔ تدبر قرآن کی ہر جلد کی تکمیل پر آپ مولانا منظور نعمانی کو مطلع کرتے جس کے جواب میں مولانا نعمانی تحسین وتبریک کا خط لکھتے تھے انھوں نے ایک مرتبہ یہاں تک لکھا کہ میں اپنے دروس میں تدبر قرآن سے پوری

مد لیتا ہوں۔

مولانا اصلاحی بنیادی طور پر داعی تھے اس حوالے سے ہر ایسی تحریک کو غنیمت خیال کرتے جو اس حوالے سے ہر ایسی تحریک کو غنیمت خیال کرتے جو اس دور پر آشوب میں دین کی نسبت سے کام کرنے والی ہو۔ مولانا محمد الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت سے ذہناً بعد رکھنے کے باوجود ان کی مساعی کو سراہتے ماہ و سال کی تحدید تو ذہن میں محفوظ نہیں تاہم رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کا سالانہ اجتماع تھا۔ میں نے دیکھا مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالرحیم اشرف، کے ہمراہ کار سے اترے اور پنڈال کی طرف روانہ ہوئے۔ دونوں بزرگوں کے ساتھ میرا تعلق نیازمندانہ اور ان دونوں کا میرے ساتھ مشفقانہ تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ دونوں خوش ہوئے۔ مجھے اپنے ہم رکاب چلنے کی سعادت بخشی۔ پنڈال تک فاصلہ کافی تھا۔ راستہ بھر دونوں بزرگ تبلیغی جماعت کی مساعی پر تحسین آمیز تبصرہ کرتے جا رہے تھے یمین و یسار مداحین کے غول اور ہٹو بچو کی فضا میں چلنا مولانا کو پسند نہ تھا اس سے بھی نفس امارہ قوی ہوتا ہے۔ انسان غیر محسوس انداز میں علم کے دھوکہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ مولانا کے نزدیک یہ چیز حجابات علم میں سے ایک ہے۔ آپ اپنی کتاب تزکیہ نفس میں فرماتے ہیں :

> ''بعض لوگ اپنے آپ کو اتنی بڑی چیز سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ ان کے لئے یہ باور کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے یہ جس بات کو وہ جانتے اور مانتے ہیں حق اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔''

دونوں اکابر پنڈال میں تشریف لائے اور عام آدمیوں کی صف میں زمین پر بیٹھے۔ دیر تک خاموشی کے ساتھ بیان سنتے رہے۔

اب مولانا مودودی دنیا میں زندہ ہیں نہ مولانا اصلاحی، نہ مولانا محمد منظور نعمانی اور نہ ہی عبدالرحیم اشرف۔ چاروں بزرگ دارالبقا کو سدھار چکے ہیں ان کا معاملہ اللہ کے ہاں ہے۔ ان حضرات نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ زندگی کے آخری سانس تک انسان کو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سینہ سپر رہنا چاہئے۔ ایک سچے مسلمان کی

زندگی کا حاصل یہی ہے۔

تانہ آمد بانگ حق از عالمے
گر مسلمانی نیا سائی دمے

مولانا اصلاحی کی علمی اور قلمی خدمات میں ایک بہت بڑی خدمت انکی تفسیر تدبر قرآن ہے۔ مولانا چونکہ فراہی مکتبہ فکر کے نمائندہ تھے اس لئے قرآن حکیم کے اسرار ورموز پر غور وفکر پھر اس غور وفکر کے نتائج کو قلم وقرطاس کے ذریعہ لوگوں تک منتقل کرنا ان کی طبعی فطرت کا تقاضا تھا۔ مولانا حمید الدین فراہی کے علمی وارث ہونے کے ناتے وہ فکر فراہی اور قرآن کے اسرار ورموز کو سمجھنے اور سمجھانے کی مستقل لگن اپنے اندر رکھتے تھے کیونکہ قرآن کا پیغام ابدی وحتمی ہے جو انسانوں کی فلاح وفوز کا ضامن ہے۔ اس کے پیغام کو عام کرنا اور ہر حطہ کے انسانوں تک اس کو پہنچانا ایک مسلمان کے فرائض میں شامل ہے شاعر مشرق فرماتے ہیں۔

اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم
تاکجا در حجرہ می باشی مقیم
درجہاں اسرار دین را فاش کن
نکتہ شرع مبین را فاش کن

اے قرآن حکیم کی عظمت وجلالت پر ناز کرنے والے توکب تک حجرہ کے اندر بیٹھا رہے گا۔ دنیا میں دین کے اسرار ورموز کو عام کر دے۔

مولانا اصلاحی اپنے اس فریضہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ اسی حوالے سے وہ خانقاہی حصار سے خود کو آزاد رکھنے کے قائل تھے۔ کہ خانقاہی حصار انسان کی سوچ وفکر پر پہرے بٹھا دیتا ہے اور انسان اپنی عقل سے نہیں دوسرے کی عقل سے سوچتا ہے اور حالات کے تقاضوں کو دوسرے کی عقل ہی سے پرکھتا ہے یہ طرز عمل آہستہ آہستہ اس کی ذاتی سوچ پر ایسے مضبوط قفل ڈال دیتا ہے جن کو کھولنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

مولانا تدبر قرآن کی تصنیف کا خیال تو جانے کب سے اپنے ذہن میں پال رہے تھے تاہم اس کا تانابانا تیار کرنے کی فرصت آپ کو پس دیوار زنداں حاصل ہوئی یہ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں کے خلاف بڑی زوردار تحریک چلی۔ مطالبہ یہ تھا کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ اس تحریک کے روح رواں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے اللہ تعالی نے ان کی آواز میں بڑی تاثیر رکھی تھی۔ آپ مجلس احرار کے مرکزی قائد تھے۔ پاکستان کی نوزائیدہ مملکت اسلام کے نام پر حاصل کی گئی تھی۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے جب یہ دیکھا کہ قادیانی پاکستان میں جھوٹی نبوت کا پرچار کر کے ملک کے اسلامی تشخص کو مجروح کرنے کے درپے ہیں آپ نے مختلف مکاتب فکر کے لوگوں سے تعاون کی اپیل کی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے قادیانیوں کے خلاف ایک بڑی موثر تحریک چلائی۔ حکومت وقت کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا ہوا یہ تحریک خالصتاً دینی بنیادوں پر تھی اور ایک انتہائی قبیح منکر کا مقابلہ مقصود تھا۔ مولانا اصلاحی بنیادی طور پر علم و قلم کے آدمی تھے۔ علم اور قلم دونوں انسان کو تحریکی اور ہنگامہ خیر اشتعال سے دور رکھتے ہیں لیکن چونکہ معاملہ ناموس رسالت کا تھا اس لیے آپ نے سنت صدیقی پر عمل کیا۔ تحریک ختم نبوت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ساتھ کندھا ملایا جس کے نتیجہ میں آپ کو ڈیڑھ برس کے لئے پابند سلاسل کر دیا گیا۔ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تنہائی اور فرصت کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ معاش کا خیال نہ فکر فردا۔ بیوی نہ بچے بالے اور ساتھ ہی جماعتی نظم کی ذمہ داریوں سے بھی مکمل آزادی، ایسی فراغت لکھنے پڑھنے والوں کے لئے غنیمت سے کم نہیں ہوتی۔ تاریخ کا حوالہ دیں تو علامہ عبدالرحمٰن کا ''مقدمہ ابن خلدون'' علامہ سرخسی کی ''المبسوط'' مولانا ابوالکلام کی ''غبار خاطر'' آغا شورش کاشمیری کی پس دیوار زنداں اور ''موت سے واپسی'' سب ایام اسیری کے ہی شاہکار ہیں۔ مولانا اصلاحی مرحوم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان اغتنم خمسا قبل خمس پر عمل کیا۔ قید و بند کے لمحات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنے قرآنی فکر کے بکھرے تار